

حضرت مولانا شبیر احمد علی ندوی
ناظم فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور۔ انڈیا

اسلام میں زکوٰۃ کا نظام اور اسلامی اداروں کا اس میں حصہ

کچھ عرصہ پہلے حکومت کرناٹک کی جانب سے ایک ”زکوٰۃ بورڈ“ کے قیام کا اعلان ہوا تاکہ زکوٰۃ کا ایک اجتماعی نظام قائم کیا جاسکے حکومت کے اس اعلان نے دینی حلقوں میں کافی کھلبلی پیدا کر دی۔ مختلف لوگوں نے اس کی مخالفت میں خوب مضامین لکھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک سیکولر حکومت کی جانب سے اس قسم کا اقدام اگرچہ غلط اور مسلمانوں کے دین میں مداخلت کے برابر تھا۔ لیکن اگر یہی اقدام ایک اسلامی حکومت یا کسی دینی تنظیم کی جانب سے ہوتا تو اس کا خیر مقدم کیا جاتا کیونکہ اس کا اقدام دین میں بجائے خود مطلوب و مقصود ہے۔ لہذا ہمارے دینی اداروں کو اس سلسلے میں ضرور غور کرنا چاہئے۔

زکوٰۃ کی صحیح حیثیت زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم رکن اور عبادت کا ایک حصہ ہے۔ نماز جس طرح حقوق اللہ کی نمائندگی کرتی ہے اسی طرح زکوٰۃ حقوق العباد کا مظہر ہے۔ اور اس کی صحیح ادائیگی اسلامی نظام کی صحت اور اس کی فلاح کا ضامن بن سکتی ہے جس کی وجہ سے کمیونزم اور سوشلزم وغیرہ غلط افکار اور باطل نظامات کی موثر روک تھام میں بھی کافی مدد مل سکتی ہے۔ مگر موجودہ دور میں زکوٰۃ کا صحیح اور اجتماعی نظام نہ ہونے کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے اصل مستحق اکثر و بیشتر اس ”خدائی امداد“ سے محروم رہ جاتے ہیں اور اس سے وہ فوائد حاصل نہیں ہو پاتے جو غلط اور گمراہ کن نظاموں کے توڑ کے سلسلے میں واقفہ مطلوب ہیں۔ اس وجہ سے زکوٰۃ کا نظام اجتماعیت کا طالب ہے تاکہ ہر ایک مستحق کو اس کا پورا حق مل جائے۔ اور مسلم معاشرے میں ایسے رخصتے پیدا نہ ہوں جس کی وجہ سے اشتراکیت اور دیگر گمراہ کن نظاموں کو اس کے اندر گھسنے کا موقع مل جائے۔ مگر افسوس کہ بد نظمی کے باعث آج کل ایسے حاجت مند جو بظاہر ”سفید پوش“ نظر آتے ہیں۔ زکوٰۃ کے فوائد سے برابر محروم ہو رہے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف گداگروں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اگر زکوٰۃ کا اجتماعی نظام قائم ہو جائے تو اس قسم کی خرابیاں دور ہو سکتی ہیں۔ اور تمام حق داروں کو ان کا حق مل سکتا ہے۔

زکوٰۃ کا صحیح طریقہ یہ بات خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ آج جس طرح "فقراء اور مساکین" کے نام پر بعض لوگ چند عرصہ کاریوں کو لائسنس میں کھڑا کر کے زکوٰۃ کی رقم تقسیم کرتے ہیں وہ نہایت درجہ گھٹیا طریقہ بلکہ زکوٰۃ کی توہین ہے۔ اس سے صرف گداگروں میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ مستحق لوگوں کو تلاش کر کے زکوٰۃ ان تک خود پہنچائی جائے جو ان کی عزت نفس کا بھی باعث ہوگی۔ اس سلسلے میں افراط و تفریط یہ ہے کہ لوگ عموماً کسی پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے شخص کو غریب اور کسی سفید پوش کو خوشحال سمجھ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک غلط معیار ہے کیونکہ حقیقت اس کے برعکس بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ بظاہر مفقوک شخص اصلاً فقیر ہو جس طرح یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے کہ اچھے کپڑے پہنا ہوا شخص واقعہً غنی ہی ہو۔

غرض زکوٰۃ کا صحیح مصرف یہ ہے کہ ایسے غریب اور محتاج لوگوں کو تلاش کیا جائے جو کسی وجہ سے معاشی جدوجہد کے میدان میں پیچھے رہ گئے ہوں یا ایسے عیال دار لوگ جن کی آمدنی کم اور اخراجات زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ پریشان رہتے ہوں۔ اسی طرح بے روزگار افراد کو تلاش کر کے انہیں روزگار پر لگایا جائے غریب مقرضوں کے قرضے ادا کر کے انہیں راحت پہنچائی جائے تالیف قلب کے لئے نو مسلموں کو نوازا جائے اور انہیں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے میں مدد کی جائے۔ جو اپنے معاشرے اور بھائی بندوں کو چھوڑ کر اسلام کی گود میں پہنچ گئے ہوں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے یا اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر جدوجہد کرنے والوں کی مدد کی جائے۔

یہ زکوٰۃ کے چند مصارف ہیں جن کا تذکرہ سورہ توبہ کی آیت ۶۰ میں کیا گیا ہے۔ اس آیت کی ایک مدنی سبیل اللہ، (اللہ کی راہ میں) بھی ہے اس کے معنی اگرچہ عموماً جہاد کے لئے گئے ہیں۔ مگر جہاد کی نوعیت ہر دور میں مختلف ہو سکتی ہے۔ خود ایک حدیث کی رو سے کسی ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا سب سے بڑا جہاد قرار دیا گیا ہے۔ غرض اس مد میں آج جس طرح ہمارے عربی و اسلامی مدرسے آسکتے ہیں۔ اسی طرح اس میں وہ اسلامی تنظیمیں اور علمی و ادبی ادارے بھی آسکتے ہیں جو اسلامی افکار و اقدار کی نشر و اشاعت اور باطل نظریات نیز گمراہ کن نظاموں کی بیخ کنی کر کے اسلامی نظام قائم کرنے کی راہ میں عملاً جدوجہد کر رہے ہوں۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ اجتماعی معاملات ہیں جن کی حکمتوں اور مصلحتوں کو انفرادی طور پر ہر شخص سمجھ نہیں سکتا۔ اور پھر انفرادی صوابدید سے یہ تمام مقاصد بروئے کار نہیں آسکتے۔ لہذا ہماری اجتماعی زندگی کا تقاضا ہے کہ ہمارے فریضہ زکوٰۃ کی صحیح تنظیم عمل میں آئے تاکہ افراط و تفریط کے بغیر ہر مستحق ادارے کو اس کا

صحیح حق مل جائے۔ اس وجہ سے زکوٰۃ ایک عبادت ہے۔ اگر یہ کام صحیح بنیادوں پر قائم ہو جائے تو پھر ہماری ملت کی کاپیڈٹ سکتی ہے۔ اور زکوٰۃ کی قیمتی رقم جو اندھا دھند خرچ کر کے ضائع کی جاتی ہے۔ اس کا تذکرہ ہو سکتا ہے۔ لہذا ہماری ملت کے درمندان صاحب کو اس سلسلے میں صحیح اقدام کرنا چاہئے تاکہ اس کے ذریعہ مفید اور ہمہ گیر نتائج نکل سکیں۔

زکوٰۃ ایک مذہبی فریضہ | جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ زکوٰۃ ایک مذہبی فریضہ (عبادت) اور اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے جو افرادِ ملت کے مکاشف و معادیا دنیا و آخرت کی بھلائی کی خاطر فرض کیا گیا ہے اسلامی نکتہ نظر سے زکوٰۃ کے ذریعہ ایک مسلمان کا تزکیہ ہوتا ہے۔ اور اس کی تطہیر عمل میں آتی ہے۔ (دیکھئے سورہ توبہ آیت ۱۰) کیونکہ زکوٰۃ کا نظام اسلامی برادری کی علامت ہے جیسا کہ سورہ توبہ کی آیت ۱۱ کے ذریعہ اس مسئلے پر روشنی پڑتی ہے جس کے مطابق نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو مسلمانوں کا بھائی کہا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا انکار کرنے والے کو بالا جماع کا فر قرار دیا گیا ہے۔ دیکھئے علامہ یوسف قرضاوی کی کتاب فقہ الزکوٰۃ جلد اول ص ۹۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو اس سلسلے میں رکھی ہے ان کے ذریعہ وہ اپنے کمزور بندوں کی خبر گیری کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے جہاں ایک طرف مالداروں کے دلوں سے مال کی محبت نائل ہو سکے۔ تو دوسری طرف ناداروں کی دیکھ بھال کے ذریعہ ان کے دلوں میں بہادری اور انسانیت نوازی کے جذبات بھی پرورش پاتے رہیں۔ یہ دراصل حرص و بخل کو روکنے اور سخاوت و دلداری کو پروان چڑھانے کا ایک نسخہ کیمیا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ نہایت درجہ رحیم اور مہربان ہے اس لئے وہ اپنے بندوں پر ربوبیت و رحمانیت کا مظاہرہ چاہتا ہے۔ تاکہ اس کے دکھی بندے اس کے لطف و کرم سے محروم نہ رہیں۔ لہذا وہ اس مظاہرے کے لئے اپنے نادار بندوں کو ذریعہ و وسیلہ بنانا چاہتا ہے اس لئے مالداروں کو غریبوں اور مسکینوں کی دلداری میں کسی قسم کا بخل یا تنگ دلی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ مال بھی خدا ہی کا دیا ہوا ہے اور اس کو خدا ہی کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق خرچ کرنا ہے۔

زکوٰۃ کا اجتماعی نظام مطلوب ہے | زکوٰۃ کی اہمیت اور فرضیت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کا تذکرہ ایک ساتھ آیا ہے۔ اور انداز خطاب بھی اجتماعی نوعیت کا ہے مثلاً:-

”مسلمانو! نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو (بقرہ ۱۱۰)“

اس سے اس حقیقت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ زکوٰۃ نماز ہی کی طرح نہ صرف اسلام کا ایک اہم

فرضیہ اور رکن ہے بلکہ وہ نماز ہی کی طرح اجتماعی حیثیت سے بھی مطلوب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور میں زکوٰۃ دینے سے انکار کرنے والوں سے جہاد کیا تھا اور اس سلسلے میں کسی بھی قسم کی رو رعایت انکار کرتے ہوئے نہایت موقت اختیار کیا تھا۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نماز اور زکوٰۃ کے اس باہمی ربط و تعلق اور ان کی جماعتی اہمیت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

”نماز جس طرح جماعت اور مسجد کے بغیر بھی انجام پا جاتی ہے لیکن اپنی فرضیت کے بعض مقاصد سے دور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ بیت المال کی مجتمع صورت کے علاوہ بھی ادا ہو جاتی ہے مگر اس کی فرضیت کے بعض مقاصد فوت ہو جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد خلافت میں جب بعض قبیلوں نے یہ کہا کہ وہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہ کریں گے، بلکہ بطور خود اس کو صرف کریں گے۔ تو شریعت محمدیؐ کے شناسائے رازان کی اس تجویز کو قبول نہیں کیا اور ہزوران کو بیت المال میں زکوٰۃ داخل کرنے پر مجبور کیا کہ اگر ان کی یہ بات تسلیم کر لی جاتی تو اسلام کی وحدت کا سرشتہ اسی وقت پارہ پارہ اور مسلمانوں کی امامت و جماعت کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔“ (سیرت النبی ۵/۱۵۳)

نیز موصوف مزید تحریر کرتے ہیں۔

جب تک مشترک افراد ایک سیرازہ میں نہیں بندھ جاتے حقیقت میں جماعت کا وجود نہیں ہوتا۔ لیکن جماعت کے وجود کے ساتھ ہی افراد کی طرح جماعت کو بھی ضروریات پیش آتی ہیں۔ جماعت کے کمزوروں، معذوروں اور مفلسوں کی مدد، جماعت اور اس کے اصول کی حفاظت کے لئے سرفروشان مجاہدہ کی صورت میں اس کے اخراجات کی کفالت، جماعت کی آمدورفت اور سفر کے وسائل کی ترقی و تعمیر، جماعت کی خاطر جماعت کے مالی نقصان اٹھانے والوں اور مقروضوں کی امداد کرنا۔ جماعت کے ان کارکنوں کو معاوضہ دینا، جو جماعت کی مذہبی، علمی تعلیمی خدمات بجالائیں۔ اور اس رقم کی فراہمی اور نظم و نسق کے فرائض انجام دیں۔ زکوٰۃ اسی نظام جماعت کا سرمایہ دولت ہے۔“ (سیرۃ النبی ج ۵ ص ۱۷۹)

اسی طرح موجودہ دور کے مشہور عرب عالم علامہ یوسف قرضاویؒ نے زکوٰۃ کے موضوع پر ایک مفصل اور معرکہ الاراء کتاب تحریر کی ہے۔ اس میں موصوف نے زکوٰۃ کی اجتماعییت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام ایک مکمل اور رہنما پیغام کا حامل ہے۔ وہ عقیدہ و نظام اور اخلاق و قانون کا مجموعہ ہے۔ وہ فرد کی آزادی اور اس کی تحریم کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی ترقی اور بھلائی کا بھی علمبردار ہے۔ اور اس چوکھٹے میں زکوٰۃ کا نظام افرادی طور پر نہیں بلکہ حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کا مصرف صرف فقراء اور مساکین ہی کے لئے نہیں بلکہ اس سے مسلمانوں کے مصالح عامہ بھی مقصود ہیں جن کا صحیح اندازہ افراد

نہیں کر سکتے۔ بلکہ اس کا صحیح اندازہ مسلمانوں کی جماعت کے معاملہ فہم لوگ اور اہل شوریٰ ہی کر سکتے ہیں جیسے تالیف قلب، جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری اور اشاعت اسلام کے لئے مبلغین کی تیاری وغیرہ امور کے لئے خرچ کرنا۔ (خلاصہ از فقہ الزکوٰۃ ج ۲ ص ۷۵۶)

ان اقتباسات سے ظاہر ہو گیا کہ زکوٰۃ کی اجتماعی حیثیت سے کس قدر اہمیت ہے۔ مگر ہمارے موجودہ طریقہ عمل نے اس کو ایک ناکارہ اور فربسودہ چیز بنا کر رکھ دیا ہے۔ بغرض اس بحث سے بخوبی واضح ہو گیا کہ افراد ملت اگر فرداً فرداً اپنی ذاتی صوابدید کے مطابق زکوٰۃ کی رقم صرف کرتے ہیں تو اس سے وہ فوائد حاصل نہیں ہو سکتے جو اسلام کی نظر میں مجموعی طور پر مطلوب ہیں۔ لہذا ایک اسلامی حکومت کو یہ حق حاصل رہتا ہے کہ وہ افراد ملت سے زکوٰۃ وصول کر کے مستحق لوگوں میں تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ ملت کے اجتماعی امور اور اجتماعی مفادات کو بھی پیش نظر رکھے۔ اس طرح انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں جس کے نتیجے میں اسلامی معاشرہ مضبوط و مستحکم ہو سکتا ہے۔ زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کے مطلوب و مقصود ہونے کے بارے میں قرآن مجید کی متعدد آیات رہنمائی کرتی ہیں مثلاً:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد الہی ہے:-

”تم مسلمانوں کے مالوں میں سے زکوٰۃ نکالو“ (توبہ ۱۰۳)

نیوز زکوٰۃ کی وصولی کے لئے عاملین یعنی کارکن مقرر کرنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:-

”اور زکوٰۃ وصول کرنے والوں کا بھی اس میں حق ہے“ (توبہ ۶۰)

ظاہر ہے کہ اس سے اجتماعی نظام کی تاکید نکلتی ہے۔

اس طرح مسلمانوں کے امام یا خلیفہ کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اجتماعی طور پر زکوٰۃ وصول کر کے ملت کی بہبودی پر خرچ کرے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ جہاں پر اسلامی حکومت نہ ہو وہاں کیا کیا جائے؟ تو اس کا حل یہ ہے کہ وہاں پر خود مسلمان اپنی تنظیمیں قائم کر کے زکوٰۃ کا اجتماعی نظام جاری کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہماری ملت آج جن مشکلات اور ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہے اس سے نجات کا راستہ نکالا جاسکے۔ اور ایسی تنظیمیں اپنے تنظیمی اخراجات کے لئے حسب ضرورت زکوٰۃ کی رقم خرچ کر سکتی ہیں اور یہ حق انہیں خود قرآن ہی عطا کرتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے:-

”وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا“ یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والوں کا بھی اس میں حق ہے (توبہ ۶۰)

اس طرح کتاب الہی میں ہر مسئلے کا حل موجود ہے مگر یہ ہماری غفلت اور کوتاہی ہے کہ ملت کے ایک ضروری اور ناگزیر فریضے کی ادائیگی میں ہم غصہ چند اندیشوں کی وجہ سے دلچسپی نہیں لے رہے۔ اگر

زکوٰۃ کی صحیح تنظیم قائم ہو جائے تو ہماری ملت کی کاپیٹل سکنتی ہے اور ہمارے سمری مدارس اور اسلامی اداروں کو بھی ان کا پورا پورا حق مل سکتا ہے۔ لہذا اس راہ میں اگر چند شخص اور باہمت لوگ آگے بڑھیں تو یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے جو انجام نہ پاسکے۔

مگر اس سلسلے میں ایک مشکل یہ ہے کہ ہمارے عربی مدرسوں میں باہم برادرانہ تعلقات کے بجائے آپس میں رقابت زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ زکوٰۃ کی زیادہ سے زیادہ رقم اسے ملے ظاہر ہے کہ کسی اجتماعی نظام کے پروان نہ چڑھنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے حالانکہ اگر اجتماعی نظام قائم ہو جائے تو پھر ان کا حق انہیں گھر بیٹھے مل سکتا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں وہ پوری ایک سوئی کے ساتھ اپنا نظام تعلیم درست کر سکتے ہیں۔ کیونکہ انہیں شہر شہر اور کھلی کھلی دورے کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ سچ پوچھتے تو اس کی وجہ سے ایک عظیم تعلیمی انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔

کیا اسلامی اداروں اور دینی علوم کی نشر و اشاعت | یہ آج ایک اہم ترین سوال ہے اور بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑے زکوٰۃ کی رقم صرف کی جاسکتی ہے؟ | کہ زکوٰۃ کی رقم گداگروں اور پیشہ ور سمجھکاریوں کو تودی جاسکتی ہے مگر کسی اسلامی ادارے کے کارکن یا دینی و علمی خدمت کرنے والے کو نہیں دی جاسکتی۔ یہ ایک غلط تصور ہے۔ اسی طرح بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جس ادارے یا مدرسے میں ایسے طلبہ نہ ہوں جن کے ”کھانے پینے“ کا انتظام نہ ہو تو وہاں بھی زکوٰۃ کی رقم نہ دینی چاہئے۔ یہ بھی ایک غلط تصور ہے جو زکوٰۃ کی روح کے سرسر خلاف ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے زکوٰۃ کے سب سے زیادہ مستحق وہ علماء یا دینی خدمت گار ہیں جو یکسوئی کے ساتھ خدا کی راہ میں مصروف عمل ہونے کے باعث معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے قابل ہی نہ ہوں۔ جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس لئے وہ محتاج ہونے کی بنا پر اس رقم کے سب سے زیادہ حق دار ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بات عقلی اعتبار سے بھی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اگر اس قسم کے دینی خدمت گار زکوٰۃ کے مستحق نہ ہوں تو پھر بھلا اور کون ہوگا؟ اور وہ اپنی ضروریات زندگی کس طرح پوری کر سکیں گے؟ ظاہر ہے کہ جب چند ”ادھر ادھر کے لوگ“ زکوٰۃ کی ساری رقم سمیٹ کر لے جائیں تو پھر دینی خدمت گاروں کا کیا ہوگا؟

مصارف زکوٰۃ | زکوٰۃ کی رقم کن کن مدوں میں صرف کی جاسکتی ہے؟ تو سورہ توبہ کی آیت ۶۰ کے مطابق اس کے حسب ذیل آٹھ مد قرار دئے گئے ہیں۔

۱۔ فقر کے لئے، اور فقراء سے مراد وہ محتاج ہیں جن کے پاس مقوڑی سی غذا یا ضرورت سے کم اشیاء ہوں یعنی جن کی آمدنی ان کی ضروریات کے لئے ناکافی ہو۔

- ۲۔ مساکین کے لئے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو یعنی بے کس و بے سہارا۔
- ۳۔ عاملین زکوٰۃ کے لئے۔ یعنی وہ لوگ جو زکوٰۃ وصول کرنے والے ہوں اس مد کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی رقم میں رکھ چھوڑا ہے اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے یہ شق زکوٰۃ کے اجتماعی نظام کی طالب ہے۔ ظاہر ہے کہ زکوٰۃ کی وصولی کے لئے مستقل کارکنوں کا قیام جماعتی زندگی کا متقاضی ہے۔
- ۴۔ جن لوگوں کی دلجوئی مقصود ہو یہ مد خاص کر نو مسلموں سے متعلق ہے۔ اور یہ منسوخ نہیں ہے بلکہ موجودہ دور میں اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

۵۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے موجودہ دور میں اس کا رواج نہ ہونے کی وجہ سے اس پر ایک "مغفوطہ" شمار کی جاسکتی ہے۔ یعنی جب کوئی ایسا دور آئے جس میں پھر سے غلامی کا رواج ہو جائے۔ تو ایسے موقع پر انسداد غلامی کے لئے اس مد کو پھر سے کام میں لانا جاسکتا ہے۔

- ۶۔ قرضداروں کے لئے۔ یعنی وہ لوگ جو کسی گھائے یا خسارے کی وجہ سے قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہوں۔
- ۷۔ اللہ کی راہ میں۔ اور یہی شق اس وقت زیر بحث ہے۔ اور اس پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔
- ۸۔ مسافروں کے لئے۔ یہ شق بھی آج کل تقریباً معطل ہو کر رہ گئی ہے۔

اب ملاحظہ ہو وہ آیت کریمہ جس میں ان تمام مدوں (مصارف) کا ذکر کیا گیا ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبِهِمْ وَفِي السَّبِيلِ وَالْغَرَمِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ط وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

زکوٰۃ محتاجوں، مفلسوں اور اس کی وصولی کرنے والوں کا حق ہے۔ اور جن کی دلجوئی کرنی ہے۔ غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے۔ قرضداروں کے لئے۔ اللہ کی راہ میں اور مسافر کے لئے۔ یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور اللہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (توبہ ۶۰)

ملت کی بہبودی کا وسیع منصوبہ | غور کیجئے ان آٹھ مدوں میں کتنی جامعیت ہے۔ اور اسلام ملت کی بہبودی کے لئے کس قدر وسیع منصوبہ رکھتا ہے۔ مگر ہم نے اپنی ناواقفیت کی بنا پر زکوٰۃ کا ایک نہایت درجہ تنگ اور محدود دائرہ بنالیا ہے۔ جس کی وجہ سے علماء اور خادمانِ ملت کو اکثر و بیشتر ذلیل ہونا پڑتا ہے اور بعض اوقات عزت نفس کا سودا بھی کرنا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ غیور اور خوددار قسم کے لوگ اکثر و بیشتر اس خدائی امداد سے محروم ہی رہ جاتے ہیں جب کہ پیشہ ور قسم کے گداگروں کی خوب بن جاتی ہے۔ یہ صورت حال نہایت درجہ افسوسناک ہے۔ اور جتنی جلد ہو سکے اس کا خاتمہ ہونا چاہئے۔

واضح رہے کہ ان آٹھ مدوں میں سے کوئی بھی مد منسوخ نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرض قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

» فَيُضِنُّهُ مِنَ اللَّهِ «، یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے۔
ہاں البتہ کسی دور ضرورت اور مصاحت کی بنا پر کوئی مد معطل ہو سکتی ہے جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں "تالیف قلوب" کو معطل کر دیا تھا، مگر وہ منسوخ نہیں ہے کیونکہ اللہ کے مقرر کردہ فرائض کو کوئی بھی منسوخ نہیں کر سکتا۔

فی سبیل اللہ سے مراد کیا ہے؟ اور زکوٰۃ کے جو آٹھ مصارف گنائے گئے ہیں ان میں سے ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنا۔ اور اللہ کے راستے سے کیا مراد ہے؟ تو اس میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے بعض فقہاء نے اس سے جہاد مراد لیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک تمام امور خیر مراد ہیں (دیکھئے تفسیر کبیر ۱۶/۱۳ طبع جدید)

اور یہ اختلاف خود فقہ حنفی میں بھی موجود ہے چنانچہ فقہ حنفی کی مستند ترین کتاب درختاں اور اس کی شرح رد المحتار یعنی فتاویٰ شامیہ کی رو سے فی سبیل اللہ کی حسب ذیل چار صورتیں (اختلاف اقوال کے مطابق) ہو سکتی ہیں۔

۱۔ بچھڑے ہوئے غازی (امام ابو یوسف کے نزدیک)

۲۔ بچھڑے ہوئے حاجی (امام محمد کے نزدیک)

۳۔ طالب علم و فتاویٰ ظہیریہ کے مطابق

۴۔ تمام امور خیر (بدائع الصنائع مولفہ امام کاسانی کے مطابق)

اور ان چاروں صورتوں میں زکوٰۃ لینے والے شخص کا محتاج یعنی ضرورت مند ہونا شرط ہے۔ (فتاویٰ شامیہ ج ۴ ص ۶۶) اس کا حاصل یہ ہوا کہ اللہ کی راہ میں کام کرنے والا کوئی بھی شخص زکوٰۃ کی رقم لے سکتا ہے بشرطیکہ وہ ضرورت مند ہو۔ اس اعتبار سے زکوٰۃ کا مستحق بننے کے لئے دو شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ وہ اللہ کی راہ میں کام کرنے والا ہو۔

۲۔ اور وہ ضرورت مند ہو۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم حنفی تحریر کرتے ہیں کہ "تمام صورتوں میں فقر و احتیاج ضروری ہے" (بجرائق ۲/۲۶۰) یہ سلفہ فقہ حنفی کے مطابق ہے جس میں فی سبیل اللہ کے تحت زکوٰۃ لینے والے کے لئے محتاج ہونا ضروری ہے جب کہ دوسرے فقہاء کے نزدیک یہ شرط بغیر ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے نص قرآنی پر زیادتی لازم آتی ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے علامہ یوسف قرضاوی کی کتاب "فقہ الزکوٰۃ"

چنانچہ مشہور المحدث عالم نواب صدیق حسن خان اپنی کتاب "الرد فتنۃ الندیۃ" میں تحریر کرتے ہیں کہ:-
 "سبیل اللہ سے مراد اللہ کی طرف پہنچانے والے راستے ہیں اور جہاد اگرچہ سب سے بڑا راستہ ہے لیکن اس مصرف کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ہر اس چیز میں صرف ہو سکتی ہے جو خدا کی طرف جائے۔ یہ آیت کے لغوی معنی ہیں اور جہاں نص شرعی نہ ہو وہاں پر لغوی معنی سے واقفیت ضروری ہو جاتی ہے پھر آپ مزید تحریر کرتے ہیں کہ:-

فی سبیل اللہ میں ان علماء پر خرچ کرنا بھی ہو سکتا ہے جو مسلمانوں کے مصالح دینیہ میں لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ اللہ کے مال میں ان کا بھی حصہ ہو گا۔ خواہ وہ مالدار ہوں یا نادار، بلکہ ان پر خرچ کرنا بہت ہی ضروری ہے اس لئے کہ علماء انبیاء کے وارث اور دین کے حامل ہیں جن کے ذریعہ اسلام اور شریعت مصطفوی کی حفاظت ہوتی ہے بموجب فقہ الزکوٰۃ ۲/۶۴۴، ۶۴۸

اس اعتبار سے فی سبیل اللہ ایک وسیع اصطلاح ہے جس میں دین اسلام کی خدمت اور اس کا دفاع کرنے والے سبھی شریک ہو سکتے ہیں۔ جن کا کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ ہو۔ بلکہ انہوں نے اپنے آپ کو خدمت دین کے لئے ہر طرح سے وقف کر رکھا ہو۔ اور ایسے "دینی خدمت گاروں" کو خود قرآن مجید نے استحقاق کے اعتبار سے پہلے نمبر پر رکھا ہے چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی قرآن مجید کی ایک آیت سے استدلال کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:-
 فقرائے ان خوددار اور مستغنیوں کا حال شرفاً کو ترجیح دی ہے جو دین اور مسلمانوں کے کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے نوکری چاکری یا بیوپار نہیں کر سکتے۔ اور حاجت مند ہونے کے باوجود کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے اور اپنی آبر و اور خود داری کو ہر حال میں قائم رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:-

يُفْقَرُوا الَّذِينَ أُخْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ صَرْبًا فِي الْأَنْزِبِ يَحْتَسِبُهُمُ الْبَاهِلُ أَغْنِيَاءُ مِنَ التَّعَفُّفِ تَخْرِفُهُمْ بِسِيْلِهِمْ لَا يَسْتَلُونَ النَّاسَ - الْحَافَاة

ان مفلسوں کو دینا ہے جو اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں اور زمین میں (روزمی حاصل کرنے کے لئے) چل پھر نہیں سکتے۔ نادان قوت ان کے نہ مانگنے کی وجہ سے ان کو بے احتیاج سمجھتے ہیں۔ تم ان کو ان کے چہرے سے پہچان سکتے ہو کہ وہ حاجت مند ہیں۔ وہ لوگوں سے پوچھ کر نہیں مانگتے۔

(بقرہ ۲۷۳ - سیرۃ النبی ۱۷۲/۵)

اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے لوگ کون ہیں؟ اس اعتبار سے اللہ کی راہ میں گھرے ہوئے ہونے کا صاف

مطلب یہ ہوا کہ اس سے مراد اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے والے ہیں اور مختلف تفسیریں اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر میں متعدد روایات مذکورہ بالا آیت کریمہ **لَا تَقْرَءُوا الْقُرْآنَ إِلَّا لَمْ يُغْنِ عَنْكُم مَّا كُنْتُمْ فِيهِ يَحْتَسِبُونَ** کی تفسیر میں اس معنی کی نقل کی ہیں کہ اس سے مراد اصحاب صفہ اور خاص کہ فقراء مہاجرین ہیں جو اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ منورہ آ گئے تھے۔ اور دین کی خدمت میں لگ گئے تھے۔ اور اس بنا پر وہ کوئی کسب معاش یا تجارت وغیرہ نہیں کر سکتے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں ان کا کوئی گھر بار تھا اور نہ رشتہ داری تھی۔ بلکہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق ان میں سے ستر آدمیوں کے پاس تو ایک چادر بھی نہ تھی (خلاصہ از تفسیر درمنثور ۱/ ۳۵۸)

اگرچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ اس سے مراد مجاہدین ہیں۔ مگر امام قرطبی نے تصریح کی ہے کہ یہاں پر مراد (اصلاً) فقراء مہاجرین ہیں اور یہ آیت بعد میں شامل ہونے والے فقراء صفہ کے لئے بھی عام ہے اور اس میں فقراء مہاجرین کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت سوائے ان کے اور کوئی موجود نہ تھا اور وہ اصحاب صفہ تھے جو تعداد میں چار سو کے قریب تھے۔ (تفسیر قرطبی ۱/ ۳۶۰)

نیز امام رازی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت فقراء مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ جو چار سو کے قریب تھے۔ اور وہ اصحاب صفہ تھے جن کا مدینہ میں نہ گھر بار تھا اور نہ رشتہ دار یاں۔ وہ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے اور روزہ رکھتے تھے اور یہی لوگ ہر غزوہ میں جنگ کے لئے نکلتے تھے۔ (تفسیر کبیر ۷/ ۷۹)

اس طرح یہ سہ صفت ہو جاتا ہے کہ ان کی دوسری حیثیت تھی وہ طالب علم بھی تھے اور غازی بھی۔ لیکن مجموعی اعتبار سے وہ طالب علم اور دینی خدمت گار ہی تھے۔ جو اللہ کے راستے میں گھرے ہوئے تھے اور اس اعتبار سے وہ ہر قسم کی "دینی خدمت" کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

اس لحاظ سے قیامت تک جو بھی لوگ دین کی خدمت میں گھرے ہوئے ہیں وہ اس آیت کریمہ کے تحت آ سکتے ہیں۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی اس آیت کی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں کہ "ہمارے ملک میں اس آیت کے مصداق سب سے زیادہ وہ حضرات ہیں جو علوم دینیہ کی اشاعت میں مشغول ہیں"

اور مذکورہ بالا آیت کا ترجمہ اور اس کی شرح اس طرح کی ہے۔

"اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ (یعنی دین کی خدمت) میں (اور اس خدمت دین میں مقید اور مشغول رہنے سے) وہ لوگ (طلب معاش کے لئے) کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (ناواقف) نہیں رکھتے۔ (اور) ناواقف ان کو تو نگر خیال کرتا ہے۔ ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان لوگوں کو ان کے طرزِ ہیبت سے پہچان سکتے ہو کہ چونکہ فقر و فاقہ سے چہرہ اور بدن میں یک گوشت نہ اضمحلال ضرور آ

جانا ہے اور یوں وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے جس سے کوئی ان کو حاجت مند سمجھے یعنی مانگتے ہی نہیں اکثر جو لوگ مانگتے ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں، اور ان لوگوں کی خدمت کرنے کو تم جو مال خرچ کرو گے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے۔ (تفسیر بیان القرآن ۱/۱۶۴)

مولانا مفتی محمد شفیع نے بھی اس کی تائید کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ "فقراء سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو دینی مشغولیت کی وجہ سے دوسرا کوئی کام نہیں کر سکتے (تفسیر معارف القرآن ۱/۶۴۲)

اور علامہ سید سلیمان ندوی سیرۃ النبی میں ایک دوسری جگہ تحریر کرتے ہیں۔

"فقراء اور مساکین میں وہ تمام اہل حاجت داخل ہیں جو اپنی محنت و کوشش سے اپنی روزی کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے جیسے بوڑھے، بیمار، اندھے، بولے، لنگڑے، مفلوج، کوڑھی یا وہ محنت کر سکتے ہیں لیکن موجودہ حالت میں دین و ملت کی کسی ایسی ضروری خدمت میں مصروف ہیں کہ وہ اپنی روزی کمانے کی فرصت نہیں پاتے۔ جیسے مبلغین مذہبی معلمین، بالغ طالب علم وغیرہ جو

لِلْفُقَرَاءِ الْمَذِينِ اُحْصُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ۔
 میں اسی طرح داخل ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اصحاب صفہ داخل تھے۔ اور وہ کم نصیب بھی داخل ہیں جو اپنی پوری محنت اور کوشش کے باوجود اپنی روزی کا سامان پیدا کرنے سے اب تک قاصر رہے ہیں اور فاقہ کرتے ہیں۔ (سیرۃ النبی ج ۵ ص ۵۷، ۵۸، ۵۹)

دینی خدمت گار زکوٰۃ کے زیادہ مستحق ہیں | بعض مصارف زکوٰۃ کے مطابق فقراء و مساکین میں اگرچہ ہر قسم کے مفلس اور حاجت مند داخل ہو سکتے ہیں۔ مگر قرآن کی تخصیص (للفقراء الذین احصوا فی سبیل اللہ) کے مطابق فقراء میں ترجیح دینی خدمت گاروں کو دینی چاہئے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ زکوٰۃ کی مدد اور عطا کے مطابق مفلسوں اور محتاجوں میں سب سے پہلا نمبر "دینی خدمت گاروں" کا ہے۔ اور امام رازی نے بھی یہی بات بیان کی ہے۔ (دیکھئے تفسیر کبیر ۴/۷۹)

اور یہ بات عقل اعتبار سے بھی بہت ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے دو محتاجوں جن میں ایک صرف اپنے لئے کام کرتا ہے اور دوسرا ملت کے لئے کام کرتا ہے۔ مال زکوٰۃ کا زیادہ مستحق (یعنی پہلے نمبر پر) وہی ہو سکتا ہے جو ملت کے لئے کام کر رہا ہو۔ کیونکہ وہ ملت کو نفع پہنچا رہا ہے۔ بالفاظ دیگر ایک "عالم فقیر" کو ایک جاہل فقیر پر ترجیح دینی چاہئے۔ (دیکھئے عین الہدایہ ۱/۸۲۲)

مگر یہ عجیب بات ہے کہ لوگ عموماً کسی بھکاری کو تو زکوٰۃ کا مستحق سمجھ لیتے ہیں مگر کسی سفید پوش "مفلوک الحال شخص کو مستحق زکوٰۃ تصور کرنے کے لئے آسانی سے تیار نہیں ہوتے حالانکہ اوپر جو آیت نقل کی

کسی ہے۔ اس کے ذریعہ بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کی نظر میں اصل مفلس کون ہے۔ اور اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ واضح رہے کہ لفظ فقیر اور مسکین کا عربی میں وہ مفہوم نہیں ہے جو اردو زبان میں چل پڑا ہے۔ ہمارے عرف میں تو فقیر اسے کہتے ہیں جو کسی فٹ پاتھ پر بیٹھا بھیک مانگ رہا ہو۔ یا گھر گھر گھوم پھر کر خیرات جمع کر رہا ہو۔ جب کہ عربی میں فقیر اسے کہتے ہیں جو تھوڑی سی غذا کا مالک ہو۔ مَن لَا مِیْلَکَ إِلَّا اَقْدَالُ الْقَوْتِ اور اس اعتبار سے اس کا بھکاری ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اس طرح ایک شخص کوئی کام دھندہ والا ہوتے ہوئے بھی "فقیر" کہلا سکتا ہے اور مذکورہ بالا آیت کی رو سے فقیر صحیح معنی میں وہ ہے جو قلت غذا یا ناکافی ضروریات کے باوجود اپنی عزت و آبرو اور خودداری کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ اور در بدر بھیک مانگتا تو دیکھ کر کسی سے لپٹ کر یا اصرار کے ساتھ سوال بھی نہ کرے۔ اور اس قرآنی تعلیم کی شرح حدیث رسول میں اس طرح آئی ہے۔

"مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک یا دو لقمے در بدر پھیرا کرتے ہیں۔ صحابہ نے پوچھا کہ پھر مسکین کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ جو حاجت مند تو ہے مگر اس کا (بظاہر) پتہ نہیں چلتا۔ اور وہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔"
(صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ ۴/۱۹)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے۔ "مسکین وہ ہے جو سوال کرنے سے کتراتا ہو۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو۔ "ترجمہ۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔" (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ ج ۲ ص ۱۹)

علم دین کی رسوائی | ان حادیث سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ کوئی شخص حاجت مند ہونے کے باوجود لوگوں کے سامنے دست سوال دراز نہ کرے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ملت کے ذمہ دار لوگ "فقراء اور مساکین" کو تلاش کر کے ان کی ضروریات خود ان کا پہنچائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اجتماعی نظام کی طالب ہے اور اجتماعیت کے بغیر یہ کام انجام نہیں پاسکتا۔ اور اس کے بغیر علماء اور دینی خدمت گاروں کی خودداری بحال نہیں ہو سکتی مگر واقعہ یہ ہے کہ آج سماج اور دینی خدمت گار اپنی خودداری کو تیاگ کر کے دست سوال دراز کرنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔ کیونکہ اب یہ زندگی اور موت کا سوال بن گیا ہے اس کے بغیر دینی مدرسوں اور اداروں کا چلنا سخت دشوار ہو گیا ہے اور بعض مقامات پر انہیں ذلیل بھی ہونا پڑتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس طریقہ کار میں نہ صرف علمائے دین کی رسوائی ہے بلکہ خود علم دین کی بھی امانت ہے۔ اور بعض غلط مسائل کے رواج پا جانے کی وجہ سے مختلف جیلے بہانے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ اور بعض لوگوں کو جھوٹ بولنے پر بھی مجبور ہونا پڑتا ہے۔ انا للہ

والا الیہ راجعون

واضح رہے کہ زکوٰۃ کوئی بھیک کی چیز نہیں بلکہ خداوند کریم کی جانب سے عائد کردہ ایک فریضہ

اور دینی خدمت گاروں کا ایک شرعی حق ہے۔ اور یہ حق انہیں بغیر دست سوال کے ملنا چاہئے۔ ورنہ دینی خدمت کے میدان میں کوئی انقلاب نہیں آسکتا۔ کیونکہ باصلاحیت لوگ اس "خازنار" میں قدم رکھنے کے بجائے اپنے لئے کوئی دوسرا میدان منتخب کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینی خدمت کے میدان میں نتائج تقریباً صفر ہو کر رہ گئے ہیں۔ بلکہ اب تو نتائج کی کسی کو پروا بھی نہیں رہی۔

بعض خرابیاں اور ان کی اصلاح جیسا کہ مصارف زکوٰۃ کی تفصیل سے واضح ہو گیا نظام زکوٰۃ کے ذریعہ اسلامی معاشرے کی مکمل فلاح و بہبود مقصود ہے اور یہ ایک مکمل فلاحی پروگرام اور اسلامی معاشیات کا ایک اہم ترین ستون ہے مگر آج جو رواج عام ہو گیا ہے اس کی رو سے زکوٰۃ یا تو کسی بھکاری کو دی جاتی ہے یا پھر ایسے مدرسے کو جس میں "کھانے والے" طلباء موجود ہوں اور عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے بغیر زکوٰۃ ادا ہی نہیں ہو سکتی۔ اور اس میں مدرسے والوں کی کوتاہیاں بھی شامل ہیں جنہوں نے محض اپنے مفاد کی خاطر عوام کے ذہنوں میں یہ غلط تصور پھیل دیا ہے۔ اور اس کے نتیجے میں بعض مکتب چلانے والوں کو جھوٹ بولنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں کھانے والے طلبہ موجود ہیں کیونکہ اس کے بغیر انہیں چندہ یا زکوٰۃ نہیں ملتی۔ حالانکہ یہ نہ کوئی شرط ہے اور نہ اس قسم کا جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت۔ زکوٰۃ کی رقم صرف "کھانے پینے" یا صرف طالب علم ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر قرآنی آیت کی تفسیر میں اہل علم کی راہیں بیان کی جا چکی ہیں۔ بلکہ اس سے طالب علموں سمیت سائنس دان، معالجین اور ہر قسم کے دینی خدمت گار بھی مستفید ہو سکتے ہیں۔

معلوم نہیں کہ یہ مسئلہ کہاں سے نکلا گیا ہے جو عوام کے ذہنوں میں پوری طرح چپک گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی علما ہی کی کوتاہی ہے۔ جو محض اپنے مفاد کے لئے عوام کو صحیح مسائل سے آگاہ نہیں کرتے گویا کہ حالات سے سمجھی نے طوعاً و کرہاً ایک طرح سے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ لیکن اگر نظام زکوٰۃ کو متحرک بنانا اور اس کی برکتوں سے مسلم معاشرے کو مالا مال کرنا ہو تو اس قسم کے غلط تصورات کا خاتمہ ضروری ہے۔

اور پھر فقہ حنفی میں "تلبیک" (زکوٰۃ کی رقم کا کسی کو مالک بنانے) کی جو شرط ہے اسے پوری کرنے کے لئے عربی مدارس کے ذمہ داروں کو "عجیب و غریب" جیلوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ کیونکہ کھانے والے طلبہ کے نام پر صرف زکوٰۃ وصول کر لینا بھی کافی نہیں ہوتا۔ اور اس اعتبار سے یہ پوری کارروائی ایک گورکھ دھندہ بن کر رہ گئی ہے اس سے تو یہ بہتر ہے کہ تلبیک کی شرط کو غیر ضروری قرار دے کر سیدھے طریقے سے اس سے چھٹکارہ حاصل کر لیا جائے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ اصلاحی قدم کون اٹھائے گا؟

واضح رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے فقہ حنفی میں تلبیک کی جو شرط پائی جاتی ہے وہ کوئی "نص" نہیں بلکہ صرف ایک فہم دقیاس ہے چنانچہ علامہ یوسف قرضاوی نے اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے اس کو غیر ضروری

بتایا ہے موصوف تحریر کرتے ہیں کہ وہ مسافر جہنہیں قرآن میں "فی" کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں تمبیک کی شرط ضروری نہیں ہے۔ اسی بنا پر کچھ فقہاء نے غلاموں کی آزادی اور میت کے قرض کی ادائیگی زکوٰۃ کی رقم سے جائز سمجھی ہے جس میں ظاہر ہے کہ تمبیک نہیں پائی جاتی۔ پھر یہ کہ اولوالا مر کو دینے سے تمبیک کی شرط تو پوری ہو ہی جاتی ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ صاحب زکوٰۃ رقم کو فقیر ہی کے ہاتھ میں دے۔ اس لئے اگر امام یا اس کے نائب نے زکوٰۃ کی رقم لے لی تو اسے ان مصارف میں صرف کرنے کا حق حاصل ہوگا (فقہ الزکوٰۃ ۶۵۱/۲)

اس طرح بعض مسائل پر نظر ثانی کر کے اصلاحی قدم اٹھانا نہایت ضروری ہے۔ اور اس اقدام سے بہت ساری خرابیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے علماء کو چند بے بنیاد اندیشوں کے تحت نئے فیصلوں سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ کیونکہ علماء کا کام تو اصلاح ملت اور اصلاح معاشرہ ہے اور پھر "فقہ اسلامی" کوئی جامد شے یا "پتھر کی لکیر" نہیں ہے۔ بلکہ اس کو زمانے کی کروٹوں کے ساتھ متحرک اور فعال ہونا چاہئے۔ لہذا علماء کو چاہئے کہ موجودہ خرابیوں کو دور کرنے کی غرض سے فتاویٰ میں اصلاح کریں اور قرآن و حدیث کی صحیح روح پیش نظر رکھتے ہوئے نئے فیصلے کریں جس کے باعث امت مسلمہ چین اور سکون کا سانس لے سکے۔

تقریباً دس سال پہلے کی بات ہے کہ راقم سطور دارالعلوم دیوبند میں مولانا مفتی محمد ظیف الدین صاحب سے ملاقات کے موقع پر ان کی خدمت میں فرقانیہ اکیڈمی کا ایک کتابچہ "زکوٰۃ کا ایک مصرف فی سبیل اللہ" پیش کرتے ہوئے اس پر موصوف کی رائے طلب کی تھی تو موصوف نے اس موقع پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ہاں اب فتوے کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ لہذا یہ ہماری ملت کے لئے ایک لمحہ فکریہ ہے اور امید ہے کہ ہمارے مفتی صاحبان اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے ہوئے دور اندیشی کا ثبوت دیں گے۔

اسلامی خدمت گارڈ | الغرض اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے وہ اس مسئلے کی تحقیق میں تھا کہ زکوٰۃ کے مصرف کی دوہری حیثیت کے مطابق اصل "فقراء" کون ہیں؟ یعنی وہ مفلس و محتاج جو زکوٰۃ کے سب سے

زیادہ حقدار ہوں۔ اس کے علاوہ خود فی سبیل اللہ کی مد میں بھی ایسے لوگ شامل ہو سکتے ہیں جو دینی خدمت میں مشغول ہوں۔ چنانچہ کچھ صفحات میں درمختار اور فتاویٰ شامیہ کے حوالے سے تفصیل گورچکی ہے۔ اور اس اعتبار سے "دینی خدمت گار" گویا کہ دونوں طرح سے مستحق زکوٰۃ قرار پاتے ہیں اور دونوں اعتبار سے ان کا استحقاق ثابت ہوتا ہے یعنی ایک تو "فقیر، مفلس و ضرورت مند" ہونے کی حیثیت سے اور دوسرے "اللہ کی راہ میں کام کرنے والے کی حیثیت سے۔ گویا کہ یہ تاکید مزید ہے۔ مگر اس کے باوجود ایسے لوگ آج اکثر و بیشتر عروم دکھائی دیتے ہیں تو اس کی وجہ ہماری ناواقفیت ہے۔ اور اس میں اہل علم کے تساہل کو بھی بہت کافی دخل ہے۔

مذکورہ کے فائدے کی صورت | یہ بات خوب اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ ایک طالب علم جو کسی اسلامی

زکوٰۃ کا نظام

مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ اور ایک عالم جو کسی اسلامی ادارے میں دینی علوم کی تحقیق و تفتیش اور ان کی نشر و اشاعت کر رہا ہے۔ یا تعلیم و تدریس کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ دونوں ایک ہی عمل میں مصروف ہیں۔ پہلا شخص اگر دینی علوم کی تحصیل کر رہا ہے تو دوسرا دینی علوم کو پھیلا رہا ہے۔ لہذا اگر پہلا شخص محتاج ہونے کی بنا پر زکوٰۃ کی رقم لے سکتا ہے تو دوسرا شخص بھی اسی علت کی بنا پر بدرجہ اولیٰ اس کا مستحق بن سکتا ہے۔ لہذا عقلی اعتبار سے ان دونوں میں کسی قسم کی تفریق نہیں کی جاسکتی بلکہ اس لحاظ سے عربی مدارس کے طلبہ اور اسلامی اداروں کے علماء و فضلاء اور کارکنان ایک ہی صف میں شامل ہیں اور ان سب کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے لہذا ان میں سے کسی ایک طبقہ کو نوازنے ہوئے کسی دوسرے طبقے کو محروم رکھنا بڑی کوتاہی ہے جس کی وجہ سے دینی خدمت گاروں کی دل شکنی ہوگی۔ اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہے کہ دین اسلام کا نقصان ہو سکتا ہے۔

ہمارے علماء کو یاد رکھنا چاہیے کہ اس صورت میں خود ان کا فائدہ ہے۔ کیونکہ اس طرح طلبہ کے ساتھ وہ خود بھی مستحق زکوٰۃ بن سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ بعض پیچیدہ مسائل اور گورکھ دھندوں سے بھی نجات پاسکتے ہیں جن کی طرف اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے۔ بشرطیکہ ان گذارشات کی روشنی میں اپنے فتاویٰ میں غلطی سے تبدیلی کر لیں۔ اور ان گذارشات کا اہل مقصد بھی یہی ہے۔

جہاد علمی و قلمی بھی ہو سکتا ہے | اس موقع پر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ فی سبیل اللہ سے مراد لازمی طور پر جہاد نہیں ہے جیسا کہ اوپر مذکور سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۷ کی تفسیر سے بخوبی ظاہر ہو گیا ہے لیکن اگر بالفرض اس سے جہاد ہی مراد لیا جائے تو یہ کوئی ضروری ہے کہ اس سے مراد جسمانی جہاد یعنی جنگ و جدل ہی ہو۔ بلکہ جہاد کی اور بھی کئی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ اور ان میں سے ایک شکل علمی و قلمی جہاد بھی ہے۔ جیسا کہ خود قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

فَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا

اور تم قرآن کے ذریعہ کافروں سے بڑا جہاد کرو (فرقان ۵۲)

اور جہاد قوی یعنی وعظ و نصیحت کے طور پر بھی ہو سکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے نبی تم کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ (توبہ ۳۷)

پہلی آیت سے صاف ظاہر ہے کہ سب سے بڑا جہاد تو قرآن ہی کے ذریعہ کرنا ہے۔ یعنی قرآنی حقائق سے منافق کے ذریعہ باطل قوتوں کا مقابلہ زور شور سے کرنا ہے۔ یہی اصل جہاد ہے۔ اور دوسری آیت میں منافق جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ "منافقین سے جہاد کا مطلب

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل سے یہ ثابت ہوا کہ ان کے ساتھ جہاد سے مراد زبانی جہاد ہے کہ ان کو اسلام کی حقیقت سمجھنے کی دعوت دیں تاکہ وہ اپنے دعوائے اسلام میں مخلص ہو جائیں (تفسیر معارف القرآن ۴/۷۲۲) لہذا جہاد کا مطلب لازمی طور پر تلوار اٹھانا نہیں ہے بلکہ سب سے پہلا نمبر لسانی اور علمی و قلمی جہاد ہے۔ اور جہاد یا السیف کا نمبر سب سے آخر میں آتا ہے۔ جب کہ اولین مراحل ناکام ہو جائیں۔ دعوت اسلامی میں یہ ترتیب ہمیشہ ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اور بعض حدیثوں کے مطابق ظالم سلطان کے سامنے حق بات کہنا افضل ترین جہاد قرار دیا گیا ہے۔ (ترمذی کتاب الفتن ۲/۱۳۳۰)

اس کا مطلب ہے کہ حق بات کی ترویج و اشاعت مقدم ہے۔ کیونکہ امام حجت کے لئے سب سے پہلے حق بات پہنچانا ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جصاص لازمی حنفی علمی جہاد کو اصل قرار دیتے ہیں چنانکہ اس سوال کے جواب میں کہ آیا نفس و مال کا جہاد افضل ہے یا علم کا جہاد؟ فرماتے ہیں کہ علم کا جہاد افضل ہے اور نفس کا جہاد فرع ہے لہذا اصل فرع سے افضل ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۱۱۹)

ظاہر کہ جانی و مالی جہاد کے لئے علم ہی بنیاد بنتا ہے۔ اور علمی و فکری اعتبار سے وہی اس کے لئے لازم ہووارکتا ہے۔ چنانچہ کوئی بھی معرکہ سر کرنے یا ملک و ولایت کے بچاؤ اور دفاع کے لئے سب سے علمی اعتبار سے جدوجہد کر کے میدان ہموار کرنا پڑتا ہے۔ گویا کہ ملت کو ”حرکت“ میں لانا علم کا کام ہے۔ اور اس اعتبار سے علم ہی اصل ہے اور علمی جہاد ہی نمبر پہلا ہونا چاہئے۔

موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد اس اعتبار سے فی سبیل اللہ ہے اگر جہاد ہی مراد لیا جائے تو اس میں علمی و قلمی جہاد باسانی شامل ہو سکتا ہے اور اس میں تاویل کرنے یا فی سبیل اللہ کے مفہوم میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہ جاتی۔ اور اس اعتبار سے موجودہ دو کا بڑا جہاد اتحاد و لادینیت ہی کی طرف سے ہے۔ لہذا آج جو علمی و اشتاعتی ادارے اتحاد و لادینیت اور باطل تحریکوں کے خلاف صف آرا ہیں وہ ارشاد الہی (فرقان ۵۱) کے مطابق وقت کے سب سے بڑے جہاد میں مشغول ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ زکوٰۃ کی قیمتی رقم سے ایسے اسلامی اداروں اور تنظیموں کے بازو مضبوط کئے جائیں تاکہ وہ بے فکری اور بے جگہی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کر سکیں۔

عصر حاضر کے متعدد علما نے بھی اس کی تائید کی ہے اور ”فی سبیل اللہ“ کے سلسلے میں تقریباً یہی رائے پیش کی ہے چنانچہ زکوٰۃ کے فلسفے اور اس کے مصارف پر موجودہ دور میں سب سے زیادہ تفصیلی بحث ڈاکٹر علامہ یوسف قرضاوی نے کی ہے جنہوں نے ”فقہ الزکوٰۃ“ کے نام سے ایک تحقیقی اور گراں قدر کتاب دو ضخیم جلدوں میں تحریر کی ہے۔ اور بقول مولانا سید ابوالحسن ندوی زکوٰۃ کے موضوع پر دنیا کی کسی بھی

زبان میں اس سے زیادہ جامع اور مبسوط کتاب موجود نہیں ہے۔ اس قابل قدر کتاب میں مصنف نے فقہائے کرام کی تمام آراء اور ان کے اختلافات کو جمع کر کے ان پر تفصیلی بحث کی ہے اور پوری اسلامی فقہ کو کھنڈ گال کر مستعاضہ مسائل کے ہر پہلو پر عالمانہ اور مجتہدانہ حیثیت سے نظر ڈالی ہے اور بہت سے نئے مسائل کا استنباط کیا ہے۔ موصوف کا مطالعہ بہت وسیع و عمیق ہے۔ اور ان کی رائیں چچی تلی معلوم ہوتی ہیں۔

معرض انہوں نے "فی سبیل اللہ" کے مصنف پر تفصیلی بحث کے بعد لکھا ہے کہ اسلامی نظام برپا کرنے کے لئے جدہ جہد کرنا بھی جہاد فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔ پھر وہ "عصر حاضر میں اسلامی جہاد کی مختلف شکلیں"، کے عنوان کے تحت مزید تحریر کرتے ہیں کہ اسلامی جہاد صرف جنگ کرنے کا نام نہیں بلکہ اس کی اور بھی شکلیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً دعوتی اور شاعتی مراکز کا قیام، مسلم نوجوانوں کے لئے تربیت گاہیں، داعیان اسلام کی تیاری اور خالص اسلامی لٹریچر کی ترویج و اشاعت وغیرہ جن سے گمراہ کن تحریکوں کا سد باب ہو سکے۔

خلاصہ از فقہ الزکوٰۃ ۲/ ۹۶۶ - ۹۶۹

ایک اور مصری عالم سید سابق نے اپنی گراں قدر کتاب "فقہ السنہ" میں لکھا ہے کہ:-
 "ہمارے زمانے میں فی سبیل اللہ کی مد میں سب سے اہم داعیان اسلام کی تیاری اور انہیں غیر مسلم ممالک کو مبعوث کرنے پر صرف کرنا ہے۔ جس طرح کہ غیر مسلم و خصوصاً مشرکیاں، اپنے دین کی نشر و اشاعت پر صرف کرتے ہیں۔ اس طرح اس میں اسلامی مدارس کے مسلمانین کا نفقہ بھی شامل ہے۔ جب تک کہ وہ اپنے شرعی وظائف ادا کرتے ہیں اور ان کا کوئی دوسرا معاشی ذریعہ نہ ہو۔" خلاصہ از فقہ السنہ ۱/ ۳۹۴
 اور سچھے صفحات میں سورہ بقرہ کی آیت ۳، ۴ کی تفسیر میں امام قرطبی، امام رازی، مولانا اشرفی علی تھانوی مفتی محمد شفیع اور مولانا سید سلیمان ندوی کی رائیں نقل کی جا چکی ہیں جس میں "فی سبیل اللہ کے الفاظ صراحت کے ساتھ مذکور ہیں۔

اگرچہ یہ مد "فقرار" سے متعلق ہے مگر اس کا تعلق جہاد سے کم اور علم سے زیادہ ہے۔ لیکن یہ تعلق خواہ جہاد سے ہو یا علم سے۔ مذکورہ بالا مباحث کی رو سے ہر حال اس میں علماء اور دینی خدمت گار خصوصیت کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ہر اعتبار سے دینی خدمت گاروں کا حق ثابت اور مقدم نظر آتا ہے لیکن مجموعی اعتبار سے میرے نزدیک سورہ بقرہ کی آیت سے افراد کا حق اور سورہ توبہ کی آیت سے زیادہ تر اداروں اور جماعتوں کا حق ثابت ہوتا ہے۔

خلاصہ بحث | خلاصہ بحث یہ کہ آج اتحاد و لادینیت کا دور دورہ ہے اور موجودہ دور میں اتحادی تحریکوں اور نظاموں نے نوجوانانہ کو فتنوں میں مبتلا کر کے اسے گمراہی کے راستے پر ڈال دیا ہے لہذا موجودہ اتحادی علوم اور دینی

تحریکوں کا مقابلہ اور ان کی بیخ کنی کے لئے علمی اور دعوتی مرکزوں کا قیام اور مسلم نوجوان کی خصوصی تربیت نہایت ضروری ہے۔ اسی طرح ایسے علمی و تحقیقی اداروں کی بھی سخت ضرورت ہے۔ جو فکری و نظریاتی اعتبار سے اسلام کو ایک بہتر نظام اور بہتر مذہب ثابت کر کے اسلامی نشاۃ ثانیہ کی راہیں ہموار کر سکیں۔ موجودہ الحاد و لادینیت کے دور میں ایک فکری و ثقافتی معرکہ سر کرنا اپنی اہمیت و افادیت کے لحاظ سے کسی بھی طرح ایک نوجوی و عسکری جہاد سے کم نہیں ہوا۔ بلکہ بعض اعتبارات سے بہتر ہے۔ مگر آج کتنے ہی علمی وراثت ختمی ادارے ایسے ہیں جو مالی و ملکی دہونے کی وجہ سے کس میرسی کے عالم سے گزر رہے ہیں۔ اگر زکوٰۃ کی رقم سے ان کی اعانت کی جائے تو کامیاب ہو سکتی ہے۔ اور زیادہ بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔ فکر و نظر کا یہ معرکہ موجودہ دور کا سب سے بڑا جہاد ہے۔

غرض اس اعتبار سے موجودہ دور میں زکوٰۃ کی رقم حسب ذیل امور میں خصوصییت کے ساتھ صرف کی جاسکتی ہے۔

- ۱۔ غریب اور نادار طلبہ کے لئے تعلیمی وظائف۔
- ۲۔ علوم اسلامیہ کی تحقیق و تصنیف کے لئے وظائف۔
- ۳۔ دینی علوم کی نشر و اشاعت کے لئے سرمایہ کی فراہمی۔
- ۴۔ واعیان اسلام کی تیاری کے لئے امداد۔
- ۵۔ اسلامی اداروں کے کارکنوں کی امداد جن کا کوئی دوسرا ذریعہ معاش نہ ہو۔
- ۶۔ علمی و دعوتی مرکزوں کا قیام اور مسلم نوجوانوں کی تربیت۔
- ۷۔ دینی و اخلاقی تعلیم کو عام کرنے کے لئے خصوصی مدرسوں کا قیام۔
- ۸۔ اسلامی افکار و نظریات اور اسلامی لٹریچر کی ترویج و اشاعت، جن کے ذریعہ گمراہ کن تحریکوں کا سد باب کرنے اور اسلامی نظام کو عملاً برپا کرنے میں مدد مل سکے اس کا نام "اعلائے کلمۃ اللہ" ہے اور یہ موجودہ دور کا سب سے

بڑا جہاد ہے

ان کے علاوہ اور بھی شکلیں ہو سکتی ہیں جن میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔ اسلام میں زکوٰۃ کی حیثیت ایک انقلابی عنصر کی سی ہے۔ مگر ہماری کوتاہی نے اس کو ایک مردہ اور بے جان سی چیز بنا کر رکھ دیا ہے۔ اگر زکوٰۃ کا نظام صحیح معنی میں جاری ہو جائے تو اس سے ملت کے نین مردہ میں نئی جان پڑ سکتی ہے۔ کیونکہ اس کو قوت پہنچا دے جو مردوں کی سیجا ثابت ہو سکتی ہے۔ اور اس میں سبکی کا راز اجتماعیت میں پوشیدہ ہے۔ لہذا اگر اب ملت سے گزارش ہے کہ وہ ان اہم ملی مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کر کے مشکلات کا حل نکالیں تاکہ صحیح دور بہتر نتائج برآمد ہو سکیں :